جنرل مرزا اسلم بیگ
سابق چیف آف آرمی سٹاف' پاکستان

امریکہ اور اوبامہ کو درپیش چیلنج

پاکستان جیسے تیسری دنیا کے ممالک کے سربراہان جب داخلی طور پر سخت حالات سے دوچار ہوتے ہیں تو غیر ملکی سفارتی مہم کا سہارا لیتے ہیں اور پھر نہ گھر کے رہتے ہیں اور نہ گھاٹ کے۔ امریکی صدر اوبامہ کو بھی ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہے کیونکہ داخلی مسائل مسلسل بڑھتے ہی جا رہے ہیں اور حکومت خوشحال طبقے کی خوشنودی کیلئے عام شہریوں کو نظر انداز کر رہی ہے۔ زوال پذیر معیشت کو ٹریژری بانڈ (Treasury Bond) خرید کر سہارا دینے کی سعی کی جاری ہے جو کہ بذات خود سیاسی ناکامی کے مترادف ہے۔ بے روزگاری بڑھ کر دس فیصد تک پہنچ رہی ہے۔ بینکوں نے مقروض لوگوں کے مکانات ضبط کر کے لاکھوں لوگوں کو بے گھر کر دیا ہے، جن میں سے اکثر پارکوں اور سڑکوں پر پڑے ہوئے ہیں۔ مالیاتی حکمت عملی بھی کامیاب نہیں ہے۔ صرف حفظان صحت جیسی اصلاحات مایوسی کے سیاہ بادلوں میں روشنی کی ہلکی سی کرن نظر آتی ہے۔ ادھر افغانستان میں اٹھائی جانے والی عزیمت اور شرمندگی کے باعث امریکہ کی خارجہ پالیسی مسلسل ناکامی سے دوچار ہے' جہاں سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد ایشیاء کی بساط پر کھیلے جانے والے نئے کھیل (New Great Game) میں امریکہ نے عالمی برتری اور حکمرانی کا دائرہ یوروایشیاء (Euro-Asia) تک بڑھانے کا جو خواب دیکھا تھا' اس خیال سے کہ ''اکیسویں صدی امریکہ کی صدی ہے اور پوری دنیا پر اپنی برتری قائم کرنے کا حق اسی کو ہے۔'' وہ شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس نئے کھیل کا مقصد ان تمام طاقتوں کو روکنا اور محدود کرنا تھا جو ان کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے تھے لیکن افسوس کہ یہ منصوبہ بھی ناکام ہے۔

اس منصوبے کے تحت سب سے پہلے امریکہ نے افغان مجاہدین کے ساتھ دھوکہ کیا جنہوں نے روس کے خلاف جنگ میں فتح حاصل کی تھی۔ کیونکہ افغانستان میں بنیاد پرست اسلامی حکومت کا قیام خطے میں امریکہ کے عزائم کیلئے خطرہ تھا اس لئے افغانستان میں دانستہ طور پر خانہ جنگی شروع کرا دی گئی۔ اس کے بعد امریکہ نے عراق کا رخ کیا جو ایران کے خلاف جنگ میں اپنی طاقت تسلیم کرا چکا تھا۔ اس طرح ۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ میں عراق کی عسکری طاقت کو تباہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد صومالیہ میں اپنی مرضی کی حکومت لانے کیلئے اس کے ہمسایہ ممالک کو اکسا کر صومالیہ پر حملہ کرایا اور حکومت بدل دی گئی۔ اسی دوران ۹/۱۱ کے سانحے نے امریکیوں کے دل غم و غصے سے بھر دیئے اور بیتابی کے عالم میں

اس کے باوجود ۱۹۸۹ء میں سویت یونین نے بروقت اپنی شکست تسلیم کر لی تھی اور افغان مجاہدین نے انہیں افغانستان سے پرامن انخلا کا راستہ دے دیا تھا جبکہ امریکہ اور اس کے اتحادی کھلے دل سے شکست تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں جس کا واضح اظہار معروف صحافی ایرک ایس مارگولیس (Eric S. Margolis) کے اس بیان سے ہوتا ہے:

''نیٹو افواج دنیا کی طاقت ور ترین فوجیں ہیں جو اتحاد بننے کے اکسٹھ سال بعد پہلی مرتبہ کسی جنگ میں شامل ہوئیں اور ہار چکی ہیں اور وہ بھی ان کے ہاتھوں شکست کھا چکی ہیں جو معمولی نوعیت کے اسلحہ سے لیس افغان کسان اور قبائل ہیں۔''

لزبن (Lisbon) سے جاری ہونے والے حالیہ اعلامیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا غرور مزید مجروح ہوا ہے جس کے سبب یہ بے تکا اعلامیہ جاری کیا گیا ہے:

''ہم آئندہ برس سے شروع ہونے والے فوجی انخلا کے بعد ۲۰۱۴ء میں یا اس سے قبل اپنا مشترکہ کردار ختم کرنے پر غور کر رہے ہیں یا اس میں کچھ اضافہ کریں گے۔'' اس اعلامیے کی رو سے شمالی اتحاد کو ایک لاکھ پچاس ہزار افغان آرمی اور ایک لاکھ پولیس جو کہ زیادہ تر تاجک، ازبک اور ہزارہ قبائل کے جوانوں پر مشتمل ہوگی کے ذریعے طاقتور بنانے سے افغانستان میں نئی خانہ جنگی شروع کرانا مقصود ہے۔ اس طرح افغانستان غیر مستحکم ہی رہے گا جس سے جنوبی ایشیاء اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں طالبانائزیشن کا عمل پھیلتا رہے گا اور پاکستان میں بھی امن قائم نہیں ہو سکے گا۔

اب وقت آ گیا ہے کہ اس قسم کی سطحی اور منفی سوچ کے رجحانات کو ختم کیا جائے۔ بھارت سمیت تمام علاقائی ممالک کو چاہیئے کہ افغانستان میں قیام امن یقینی بنانے کیلئے افغانستان کے معاملات سے الگ رہیں۔ مسائل اس وقت زیادہ الجھ جاتے ہیں جب جارح قوتیں مشرق کی جانب چین کی ابھرتی ہوئی طاقت کو خطے میں اپنے عزائم کیلئے خطرہ تصور کرتی ہیں۔ چین کی ابھرتی ہوئی طاقت ایک حقیقت ہے اور نہ ہی سویت یونین کی طرح اس کے کوئی جارحانہ عزائم ہیں بلکہ وہ دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ تعاون پر مبنی تعلقات استوار کرنا چاہتا ہے جبکہ امریکہ اور بھارت کی شراکت کا ... جنگ کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور چین کے خلاف عسکری اتحاد بنانا ہے جو کہ خطے میں قیام امن کیلئے بڑا

بامہ کی خارجہ پالیسی بھی داخلی پالیسی کی طرح غیر دانشمندانہ ہے۔ اگر انہیں واقعی امریکیوں کیلئے ملازمت ے مواقع تلاش کرنا ہیں تو اس سلسلے میں ان کا ایشیاء کا دورہ قطعی غیر موزوں تھا۔ دانشور فرید ذکریا کے بقول: ''انہیں ینیڈا یا میکسیکو کی طرف جانا چاہیئے تھا جو کہ بھارت کے مقابلے میں بیس گنا امریکی مصنوعات کے خریدار ہیں یا پھر شمالی

افغانستان پر محض اس لئے چڑھائی کی گئی کہ افغانیوں نے اسامہ بن لادن کو پناہ دینے کا ناقابل معافی جرم کیا تھا جبکہ خود امریکہ نے روس کے خلاف جنگ میں اسامہ کو دعوت دی اور ہر قسم کی مدد اور تعاون فراہم کیا تھا۔ افغانستان پر تسلط قائم کر لینے کے بعد امریکہ نے عراق پر اس مضحکہ خیز الزام کے تحت چڑھائی کی کہ صدام حسین کے پاس ایٹمی ہتھیار تھے۔ ایک طرف افغانستان اور عراق میں امریکہ اپنے قدم جمار ہا تھا تو دوسری طرف یورپی یونین نے مشرقی یورپ میں اپنی ممبر شپ بڑھادی اور جارجیا' یوکرائن اور کرغزیا میں بھی مغربی مفادات کے پیش نظر انقلاب برپا کیا اور اپنے دائرہ کار کو بڑھاتے ہوئے افغانستان کو جنوبی ایشیا کا حصہ قرار دے دیا اور امریکہ کے ساتھ ''سٹریٹیجک پارٹنر شپ'' کے تحت بھارت کو خصوصی ذمہ داری سونپی گئی جس کا واضح ہدف '' خطے میں ابھرتے ہوئے اسلامی بنیاد پرستی کے خطرے کو ختم کرنا اور چین کی ابھرتی ہوئی اقتصادی وعسکری طاقت کو محدود کرنا تھا۔'' اس حکمت عملی کو بروئے کار لاتے وقت امریکہ اور اس کے اتحادی اسلامی مزاحمتی قوت کا صحیح اندازہ نہ کر سکے جو ان کی شکست کا باعث بنی ہے۔ اسلامی مزاحمت کہ جسے وہ دہشت گردی کہتے ہیں' اس کے خلاف اس جنگ کی بدولت ہی اسلامی مزاحمتی قوت افغانستان سے عراق' صومالیہ' یمن' پاکستان' کشمیر اور فلسطین تک پھیل چکی ہے اور آگے بھی پھیلتی رہے گی جب تک مسلمان ممالک کے خلاف استعماری طاقتوں کی جارحیت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

صدر اوبامہ کے حالیہ دورہ بھارت کے بعد جاری کردہ مشترکہ اعلامیے میں زمینی حقائق کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ طالبان یہ جنگ جیت چکے ہیں اور اپنے عزم و استقلال پر پورا اترے ہیں جیسا کہ ملا عمر نے مارچ ۲۰۰۰ء میں ہمیں پیغام بھیجا تھا کہ: ''ہم اس وقت تک جارح قوتوں کے خلاف لڑتے رہیں گے جب تک ہم اپنے فیصلے خود کرنے میں آزاد نہیں ہو جاتے۔ افغان قوم امریکی ایجنڈے کو ہرگز قبول نہیں کرے گی کیونکہ یہ ہماری قومی غیرت وروایات کے خلاف ہے۔ ہم اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک غیر ملکی فوجیں ہماری سرزمین سے مکمل طور پر نہیں نکل جاتیں۔ ہم آزاد قوم ہیں اور اپنی آزادی کا دفاع کرنا جانتے ہیں۔'' اپنے عزم کے عین مطابق ملا عمر کی قیادت میں افغان قوم اپنے ارادے پر پوری طرح ڈٹی ہوئی ہے جس کا اظہار ان کے حالیہ بیان سے ہوتا ہے:

''مجاہدین کی عظیم قربانیوں کے طفیل جارح فوجوں کی شکست کا لمحہ آن پہنچا ہے۔ ہم اپنے دشمنوں کو ایک تھکا دینے والی جنگ میں الجھائے رکھیں گے اور عنقریب ان کا حشر سابق سوویٹ یونین جیسا ہوگا۔ جوں جوں جنگ کا دورانیہ طویل ہوتا جائے گا قابض فوجوں کے مسائل میں اضافہ ہوتا جائے گا۔'' اس میں کوئی شک نہیں کہ طالبان نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف واضح فتح حاصل کرلی ہے اور انہوں نے افغانستان میں بھارت کے کسی کردار کو بھی رد کر دیا ہے۔

اس قسم کی غیر منظم جنگوں (Asymmetric Wars) میں کسی کی واضح فتح یا شکست نہیں ہوتی لیکن

کوریا کی جانب جو بھارت سے دس گنا زیادہ امریکی مصنوعات کا خریدار ہے۔'' اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ اوبامہ کی نئی سوچ خطرناک مقام پر پہنچ چکی ہے۔ دانش کا تقاضا ہے کہ قابل عمل حکمت عملی اپنائی جائے اور بہتر سوچ کے تحت حالات کا صحیح ادراک کرتے ہوئے افغانستان سے فوجیں نکالنے کی حکمت عملی ترتیب دی جائے جو طالبان کے ساتھ مفاہمت کے ذریعے ہی ممکن ہے ورنہ یہ انخلا ایک ڈراؤنا خواب بن جائے گا کیونکہ ۱۹۸۹ء میں پاکستان کو افغان مجاہدین کا اعتماد حاصل تھا جس کی وجہ سے روسی فوجوں کا پرامن انخلاء یقینی بنایا گیا تھا مگر اب پاکستان افغان مجاہدین کا اعتماد کھو چکا ہے اور صرف طالبان ہی پرامن انخلاء کی ضمانت دے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں امریکی پالیسی سازوں کو چاہیئے کہ امریکی سینٹ کی ٹاسک فورس کے سربراہ رچرڈ آرمیٹج کی اس دلیل پر غور کریں کہ: ''افغانستان میں تصادم کو ختم کرنے کیلئے آئینی اصلاحات اور دیگر سیاسی اقدامات طے کرنے کیلئے قومی سطح پر پرخلوص مصالحانہ کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔'' اس کے علاوہ اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا گیا تو قابض فوجوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔

''امریکہ ایک زوال پذیر ملک ہے جس کی صرف سیاسی ساکھ ہی نہیں بلکہ اقتصادی اور عسکری ساکھ بھی کمزور ہوئی ہے۔'' یہی چیلنج صدر اوبامہ کو درپیش ہے اور اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ دانشمندی سے زمینی حقائق کا جائزہ لیتے ہوئے اس عزم کو پورا کرنے کا تہیہ کرلیں جس کا انہوں نے اپنی قوم سے وعدہ کیا تھا:

''میں امریکی قوم کے خوابوں کی تعبیر کیلئے اپنی ساری زندگی وقف کر چکا ہوں۔''

اب یہ ان کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ریپبلکن کے ساتھ مل کر'' آگے بڑھیں اور امریکی عوام کیلئے آسانیاں پیدا کرنے کیلئے عملی اقدامات کریں۔'' انہیں اندرون ملک اور بیرونی دنیا کے عوام کو مطمئن کرنے کیلئے مناسب حکمت عملی اپنانا ہوگی' بالخصوص ان لوگوں کے دکھوں کا مداوا کرنا ہوگا جنہوں نے امریکی برتری اور عالمی حکمرانی کے خواب دیکھے اور بہت تکالیف اٹھائی ہیں۔

نوآبادیائی اور غلامی کا دور قصہء پارینہ بن چکا ہے اور اب عالمی بھائی چارے کو فروغ دینے کا وقت ہے۔ اوبامہ کو چاہیئے کہ معروف دانشور Horace کی اس نصیحت کو یاد رکھیں؛'' ایسی طاقت کا استعمال جس میں کوئی حکمت عملی شامل نہ ہو' خود اپنے ہی ہاتھوں تباہ ہو جاتی ہے۔''

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے